محدث العصر شیخ المشائخ

حضرت مولانا عبداللہ امجد چھتوی

رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۳۵ء-۲۰۱۷ء)

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ

قارئین ذی وقار! آپ یہ روح فرساں خبر سماعت فرما چکے ہیں کہ محدث العصر، مجتہد زماں، شیخ الحدیث استاذ الاساتذہ، شیخ المشائخ حضرت مولانا علامہ محمد عبداللہ امجد چھتوی رحمۃ اللہ علیہ 15 اگست 2017ء کی صبح تہجد کے وقت وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ مرحوم کی وفات پوری جماعت کے لیے ہی ایک حادثہ فاجعہ ہے۔ ترجمان الحدیث کا شمارہ پریس کے لیے تیار تھا کہ یہ سانحہ پیش آ گیا لہٰذا شیخ مرحوم کے متعلق حالات و واقعات سے قارئین کو آگاہ کرنے کے لیے مورخ اہل حدیث حضرت مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون جو انہوں نے شیخ محترم کی زندگی میں تحریر فرمایا تھا۔ اور اسے اپنی کتاب ''دبستان حدیث'' کے صفحہ نمبر 522 تا 530 پر شائع کیا تھا اسے استفادہ عام کے لیے ذیل کے صفحات پر شائع کیا جا رہا ہے ادارہ ترجمان الحدیث ان شاء اللہ عنقریب حضرت چھتوی صاحب پر ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کر رہا ہے۔ مضمون نگار حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اپنے مضامین اولین فرصت میں ارسال فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت چھتوی صاحب اور حضرت بھٹی صاحب کو جنت الفردوس میں اکٹھا فرمائے۔ اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے (آمین) (ادارہ)

تقسیمِ ملک سے قبل متحدہ ہندوستان میں چھوٹی بڑی ساڑھے پانچ سو سے زائد ریاستیں تھیں جن پر طویل مدت سے راجے مہاراجے اور نواب نسلاً بعد نسلٍ حکومت کرتے چلے آ رہے تھے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہو کر ہندوستان اور پاکستان کے نام سے دو حصوں میں بٹا تو ہندوستان کی کانگرسی حکومت نے ریاستیں ختم کر دی تھیں۔ ان ریاستوں میں ایک

ریاست کا نام ''بیکانیر'' تھا۔ تقسیمِ ملک کے بعد اس ریاست کو حکومتِ ہند نے صوبہ راجستھان میں شامل کر دیا تھا۔ مولانا عبداللہ امجد کے آباء و اَجداد آزادیِ ملک سے قبل اسی ریاست کے ایک گاؤں میں سکونت پذیر تھے جس کا نام دبلی باس (یعنی آبادی) تھا۔ یہ بستی ریاست بیکانیر کی تحصیل ہنومان گڑھ ضلع گنگا نگر میں تھی۔ عرفِ عام میں اسے ''ڈھانی'' کہا جاتا تھا۔ اس نواح میں ڈھانی کا اطلاق چھوٹی بستی یا آبادی پر ہوتا تھا اور تین چار ڈھانیاں تھیں جو قریب قریب واقع تھیں، ان میں سے ہر ڈھانی پر ایک دوسری سے امتیاز کے لیے بہ طور لاحقہ کوئی لفظ لگا لیا گیا تھا۔ مولانا عبداللہ امجد والی ڈھانی کو 'دبلی باس' کے لاحقے سے دوسری ڈھانیوں سے ممیّز کیا گیا تھا۔

ان کے خاندان کے رشتے داریوں کا حلقہ دور تک پھیلا ہوا تھا، مثلاً پٹیالہ میں رحمۃ للعالمین کے مصنفِ نام دار قاضی محمد سلیمان منصور پوری سے ان کا تعلق تھا تو ضلع فیروز پور کی ایک چھوٹی سی بستی بڈھیمال کے لوگوں سے بھی ان کے رشتے ناتے قائم تھے۔ بڈھیمال بھی علمائے کرام کا مسکن تھا اور ڈھانی میں بھی متعدد اہل علم نے جنم لیا اور ان کے حدودِ اثرات وسیع ہوئے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری مرحوم و مغفور ایک مرتبہ عبداللہ امجد کے کسی بزرگ کی شادی میں ڈھانی تشریف لے گئے تھے اور ان کا نکاح قاضی صاحب نے پڑھایا تھا۔

ڈھانی بے شک چھوٹا سا گاؤں تھا، لیکن اصحاب علم کا مجمع اور اہل حدیث کا مسکن تھا جہاں جناب علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری جیسی عظیم شخصیتیں قدم رنجہ فرما چکی تھیں۔ بلاشبہ اس گاؤں پر ''بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر'' کی ضرب المثل صادق آتی تھی۔

عبداللہ امجد کے دادا تین بھائی تھے، جن کے نام علی الترتیب یہ ہیں: جمال الدین، جلال الدین اور عنایت اللہ۔ جمال الدین کے دو بیٹے تھے اور دونوں عالم تھے۔ بڑے کا نام مولوی عبداللہ تھا اور چھوٹے کا مولوی محمد۔

مولوی عبداللہ اس دور میں اپنے علاقے کے مشہور عالم تھے۔ متقی اور پیکر صالحیت، واعظ اور مدرس، بہت سے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ عالمِ جوانی میں سفر آخرت پر روانہ ہو گئے تھے۔

عبداللہ امجد کا نام انھی کے نام پر عبداللہ رکھا گیا تھا۔

مولوی محمد بھی عالم دین تھے اور وعظ و خطابت سے دلچسپی رکھتے تھے۔ انھوں نے ۸۰ سال کے پس و پیش عمر پا کر قیامِ پاکستان کے بعد چک نمبر ۳۶ گ ب (تحصیل جڑاں والا) میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

میاں جلال الدین کے بھی دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام عبدالعزیز تھا اور چھوٹے کا مولوی عبدالرشید۔ یہ دونوں بزرگ وفات پا چکے ہیں۔ مولوی عبدالرشید نے درسِ نظامی کی تکمیل کی تھی اور وہ مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی کے شاگرد تھے۔ ان کے بڑے بھائی عبدالعزیز عالم دین تو نہ تھے لیکن قرآن مجید پڑھا تھا، دینیات کے سلسلے کی بعض اردو کتابیں بھی پڑھی تھیں اور حضرت حافظ محمد لکھوی کی تصانیف (احوال الآخرت، زینت الاسلام اور انواع محمدی وغیرہ) جو اس زمانے کے پنجاب میں بہت مقبول تھیں اور گھروں میں پڑھائی جاتی تھیں، انھوں نے بھی پڑھی تھیں۔ عبداللہ امجد انھی عبدالعزیز کے بیٹے ہیں۔

عنایت اللہ کے بھی دو ہی بیٹے تھے۔ بڑے کا نام محمد سلیمان تھا اور چھوٹے کا عبیداللہ۔ ان تینوں بھائیوں کے سب بیٹے بیٹیاں وفات پا چکے ہیں۔ البتہ ان کے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی اولاد ماشاء اللہ بہت پھیلی ہوئی ہے۔

میاں جمال الدین، جلال الدین اور عنایت اللہ میری والدہ کے حقیقی ماموں تھے۔ حافظ عبداللہ بڈھیمالوی کے بھی ماموں تھے۔ میری والدہ اور حافظ صاحب آپس میں خالہ زاد تھے۔

عبداللہ امجد کی ولادت ۱۹۳۵ء کے لگ بھگ سابق ریاست بیکانیر کی بستی ڈھانی میں ہوئی۔ ناظرہ قرآنِ مجید اپنے والد عبدالعزیز سے پڑھا۔ حضرت حافظ محمد لکھوی کی تصانیف احوال الآخرت، زینت الاسلام اور بعض دیگر کتابیں بھی والد سے پڑھیں۔ تقسیمِ ملک کے بعد اپنے والدین اور دوسرے بزرگوں کے ساتھ چک نمبر ۳۶ گ ب (تحصیل جڑاں والا، ضلع فیصل آباد) میں سکونت پذیر ہوئے اور پھر باقاعدہ طور سے حصولِ علم کا آغاز کیا۔ چک نمبر ۳۶ میں سکونت کی وجہ سے ''چھتوی'' کی نسبت سے شہرت پائی۔ پاکستان آ کر سب سے پہلے میاں محمد باقر کے قائم کردہ مدرسہ خادم القرآن والحدیث (جھوک دادو) میں داخلہ لیا۔ اس وقت اس مدرسے میں

مولانا محمد صدیق کرپالوی (جنھیں بعد میں لائل پوری کی نسبت سے پکارا جانے لگا) خدمتِ تدریس انجام دیتے تھے۔ عبداللہ امجد نے دو سال ان سے تعلیم حاصل کی، یعنی دینیات کے نصاب کی رو سے پہلی اور دوسری دو جماعتیں وہاں پڑھیں۔ اس کے بعد اوڈاں والا چک نمبر ۴۹۳ گ ب کا عزم کیا۔ وہاں صوفی عبداللہ مرحوم کے دار العلوم تعلیم الاسلام میں داخل ہوئے اور تیسری اور چوتھی جماعت کی تکمیل کی، وہاں بھی دو سال قیام رہا۔ اوڈاں والا کے دار العلوم میں جن اساتذہ کے حضور انھوں نے زانوئے شاگردی تہ کیے، وہ تھے مولانا عبدالصمد رؤف، پیر محمد یعقوب قریشی، مولانا محمد صادق خلیل اور حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی۔ اور ان کے ہم جماعت تھے مولانا عبدالرشید ہزاروی (شیخ الحدیث دار الحدیث، اوکاڑا)، قاضی محمد اسلم سیف مرحوم اور بعض دوسرے حضرات۔

حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی عبداللہ امجد کے ماموں تھے۔ عبداللہ امجد کی شادی بھی حافظ صاحب کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ حافظ صاحب اوڈاں والا سے جامعہ محمدیہ (اوکاڑا) تشریف لے گئے تو عبداللہ امجد بھی ان کے ساتھ وہاں چلے گئے۔ جامعہ محمدیہ میں انھوں نے حافظ محمد بھٹوی سے کتب حدیث میں سے جامع ترمذی، سنن ابی داود اور بعض دیگر علوم کی چند کتابیں پڑھیں۔

مولانا محمد عبدہٗ الفلاح بھی ان دنوں جامعہ محمدیہ میں فریضۂ تدریس سرانجام دینے پر مامور تھے۔ عبداللہ امجد کو ان سے حجۃ اللہ البالغہ، متنبّی اور شرح عقائد نسفی وغیرہ کتابیں پڑھنے کا موقع ملا۔

جامعہ محمدیہ میں شیخ الحدیث کی مسند پر حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی متمکن تھے، ان سے صحیح بخاری، تفسیر بیضاوی اور دیگر انتہائی کتابوں کا درس لیا۔

اسی اثنا میں ۱۹۵۳ء آ گیا اور تحریک تحفظ ختم نبوت کی وہ ملک گیر لہر اُٹھی کہ جگہ جگہ مرزائیت کی زوردار مخالفت شروع ہوگئی۔ حکومت مرزائیوں کی حمایت پر اُتر آئی اور لوگوں نے مرزائیوں اور حکومت دونوں کے خلاف زبردست محاذ قائم کرلیا۔ گرفتاریاں ہونے لگیں اور جیلیں بھری جانے لگیں۔ اوکاڑا میں مولانا معین الدین لکھوی اور ان کے بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کر کے منٹگمری جیل میں بند کر دیا گیا تھا۔ میں نے اور حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی نے جیل میں ان سے

ملاقات کی تھی۔ مولانا معین الدین کے بعد مولانا عبداللہ امجد نے، جو اس وقت جامعہ محمدیہ میں طالب علم تھے، اپنے متعدد رفقائے کار کے ساتھ اوکاڑا کے علاقے میں گھوم پھر کر خوب کام کیا اور لوگوں کو مرزائیت اور مرزائیت نواز حکومت کے خلاف تحریک میں شامل ہونے کی تلقین کی اور اپنی اس شب و روز کی جدوجہد میں کامیاب رہے۔ ان کی عمر اس وقت سترہ اٹھارہ سال کی تھی۔

ایک عرصے کے بعد حالات بدلے اور تحریک بہت حد تک کامیابی سے ہم کنار ہوئی تو تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور مولانا عبداللہ امجد نے جامعہ کے امتحان میں شمولیت کی۔ ان کا حجۃ اللہ البالغہ کا پرچہ مولانا سید محمد داود غزنوی نے تیار کیا تھا اور انھیں اس کے بہت اچھے نمبر ملے تھے۔

ایک دن لاہور میں مولانا عبداللہ امجد کو مولانا غزنوی کی خدمت میں سلام عرض کرنے کا موقع ملا تو انھوں نے فرمایا آپ یہاں آجائیں، ہم آپ کے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے۔ کچھ کتابیں دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں حافظ محمد اسحاق صاحب سے پڑھیں اور کچھ جامعہ اشرفیہ میں۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر مولانا سے معذرت کر لی کہ آئندہ سال میں جامعہ محمدیہ (اوکاڑا) میں تدریسی خدمت بھی انجام دینا چاہتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالحنان اور مولانا عبدالقدیر سے بعض فنون کی کتابیں بھی پڑھنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا: مولانا عبدالحنان کیمل پور والے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں وہی۔ مولانا نے فرمایا: بس ٹھیک ہے، ضرور پڑھیے اور فریضہ تدریس بھی انجام دیجیے۔ چنانچہ انھوں نے آئندہ سال منطق کی بعض کتابیں پڑھیں۔ اس سے اگلے سال مولانا معین الدین کے کہنے سے مستقل طور پر تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اس زمانے میں مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی جامعہ محمدیہ میں شیخ الحدیث کی مسند علیا پر فائز تھے۔ مولانا عبداللہ امجد نے ۱۹۵۶ء میں جامعہ محمدیہ سے سند فراغت لی تھی۔ فراغت کے بعد وہیں مدرس مقرر کر لیے گئے۔ دو سال مدرسہ خادم القرآن والحدیث (جھوک دادو) کے اور دو سال دارالعلوم تعلیم الاسلام (اوڈاں والا) کے علاوہ طالب علمی کا پورا زمانہ جامعہ محمدیہ (اوکاڑا) میں

گزارا۔ جامعہ محمدیہ ہی سے فارغ ہوئے اور جامعہ محمدیہ کی وجہ سے انھیں شہرت بھی ملی اور بے شمار علماء وطلباء سے تعارف ہوا۔

جامعہ محمدیہ میں مولانا عبداللہ امجد نے چار سال سلسلۂ تدریس جاری رکھا۔ اس اثنا میں سنن نسائی، مشکاۃ شریف، جامع ترمذی، تفسیر جامع البیان، کافیہ، تلخیص المفتاح، الفیہ وغیرہ کتابیں پڑھائیں۔ اس کے بعد مولانا عبداللہ ویروالوی کے کہنے پر عبداللہ امجد فیصل آباد دارالقرآن والحدیث میں چلے گئے۔ اسی سال حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی (جو جامعہ محمدیہ میں شیخ الحدیث تھے) جامعہ سلفیہ تشریف لے گئے۔

مولانا عبداللہ ویروالوی سے بات چیت کے بعد مولانا عبداللہ امجد نے مولانا معین الدین لکھوی کو ٹیلی فون کر دیا کہ ''میں آئندہ سال فیصل آباد میں مولانا عبداللہ ویروالوی کے مدرسہ دارالقرآن والحدیث میں تدریس کرنا چاہتا ہوں کہ یہ میرے گاؤں (چک نمبر ۳۶) کے قریب ہے۔''

اس سے پہلے مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی کا خط مولانا معین الدین لکھوی کو پہنچا تھا کہ ''میں آئندہ سال جامعہ محمدیہ نہیں آؤں گا، آپ جامعہ کے لیے کسی شیخ الحدیث کا انتظام کر لیں۔''

مولانا معین الدین لکھوی دو مدرسوں کے اچانک جواب دینے پر پریشان تو ہوئے لیکن ان کی جگہ بعض حضرات کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔

بہر حال چار سال مولانا عبداللہ امجد فیصل آباد کے دارالقرآن والحدیث میں پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی کے فرمان کے مطابق جامعہ سلفیہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں موطأ امام مالک، مختصر المعانی اور مسلّم الثبوت وغیرہ کتابیں پڑھائیں۔ ایک سال وہاں رہے۔ پھر مولانا محمد عبدہٗ اور مولانا معین الدین کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے جامعہ محمدیہ (اوکاڑا) چلے گئے۔ وہاں پہلے سال صحیح مسلم، شرح عقائد نسفی، موطأ امام مالک اور سنن ابی داود وغیرہ کتابوں کی تدریس کی۔ اس وقت مولانا محمد عبدہٗ جامعہ محمدیہ کی مسند شیخ الحدیث پر متمکن تھے۔ اس سے اگلے سال ۱۹۷۰ء میں مولانا محمد عبدہٗ نے اپنی

خدمات ادارہ علوم اثریہ (فیصل آباد) کے سپرد کر دیں تو مولانا معین الدین لکھوی نے مولانا عبداللہ امجد کو جامعہ محمدیہ کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث بنا دیا۔ مجموعی طور پر انھوں نے پندرہ سال جامعہ محمدیہ میں خدمت تدریس سرانجام دی۔ کئی سال صحیح بخاری کا درس دیتے رہے۔اس اثنا (۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۴ء) میں دوبارہ تحریک تحفظ ختم نبوت شروع ہوئی تو مولانا معین الدین لکھوی کو اس تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں حکومت نے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ان کے بعد اوکاڑا شہر میں اس تحریک کی قیادت مولانا عبداللہ امجد نے کی، بالآخر انھیں بھی گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔جیل میں اور بھی متعدد حضرات ان کے ساتھ قید تھے۔ وہاں مولانا عبداللہ امجد نے درسِ قرآن وغیرہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

جیل سے رہا ہونے کے بعد مولانا عبداللہ امجد نے جامعہ محمدیہ کی تدریس سے استعفیٰ دے دیا اور چک نمبر ۱۴۹/ای بی (متصل عارف والا،ضلع پاک پتن) کی درس گاہ ''جامعہ اشاعت الاسلام'' میں جانے کی تیاری کر لی۔مولانا معین الدین لکھوی نے وہاں جانے سے روکنا چاہا لیکن وہ وعدہ کر چکے تھے،اس لیے وہاں تشریف لے گئے۔

دس سال اس گاؤں میں رہے، پھر بعض وجوہ کی بنا پر وہاں سے مستعفی ہو گئے اور عارف والا شہر کی جماعت کے کہنے سے وہاں جا کر سلسلہ تدریس شروع کر دیا۔ ڈیڑھ سال کے بعد وہاں کی جماعت نے اتنا خرچ برداشت کرنے سے معذوری ظاہر کی۔اس کا علم چیچہ وطنی کی جماعت کو ہوا تو اس کے چند ارکان عارف والا پہنچے اور مولانا عبداللہ امجد سمیت تمام مدرسین وطلباء کو چیچہ وطنی لے گئے اور انھوں نے وہاں کی درس گاہ ''جامعہ اشاعت العلوم المحمدیہ'' میں تدریس کا آغاز کر دیا۔ایک سال وہاں خدمت تدریس سرانجام دی۔اس کے بعد وہاں کے حالات کے پیش نظر مولانا نے ان سے فرمایا کہ اگر وہ بعض شرائط کے مطابق انھیں آئندہ رکھنا چاہتے ہیں تو چند روز تک اس کی اطلاع دیں۔لیکن ان کی جانب سے اطلاع نہ آئی۔

اس کے بعد رمضان شریف میں مرکز الدعوۃ السلفیہ (ستیانہ بنگلہ) کے ناظم مولانا عتیق اللہ اور بعض دیگر حضرات نے مولانا عبداللہ امجد سے ملاقات کی اور اصرار کیا کہ وہ ستیانہ بنگلہ تشریف لے

جائیں اور وہاں خدمت تدریس سرانجام دیں۔ چنانچہ چیچہ وطنی کی جماعت کی طرف سے اطلاع نہ آنے پر مولانا عبداللہ امجد نے ۲۶ یا ۲۷ رمضان کو استعفیٰ دے دیا اور ستیانہ بنگلہ کے حضرات کی درخواست پر ان کے ہاں جانے کا وعدہ کرلیا اور وہاں جا کر خدمت تدریس سرانجام دینے لگے۔ اب تیرہ چودہ سال سے مولانا عبداللہ امجد شیخ الحدیث کی حیثیت سے مرکز الدعوۃ السلفیہ (ستیانہ بنگلہ، ضلع فیصل آباد) میں تشریف فرما ہیں۔ تدریس کے علاوہ ہر رمضان المبارک میں دورۂ تفسیر قرآن کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں اور لوگ ان کے درسِ قرآن سے مستفید ہوتے ہیں۔ بالخصوص طلباء کے لیے یہ سلسلہ انتہائی فائدہ رساں ہے۔

مولانا ممدوح تقریباً ۱۹۵۶ء سے شعبہ تدریس سے منسلک ہیں، بہ الفاظ دیگر یہ بابرکت خدمت وہ پچاس سال سے زیادہ مدت سے سرانجام دے رہے ہیں۔ اس اثنا میں وہ درسی کتابیں متعدد مرتبہ پڑھا چکے ہیں۔ اب تک وہ چالیس مرتبہ صحیح بخاری شریف پڑھا چکے ہیں۔ وہ تجربہ کار مدرس ہونے کے ساتھ اچھے مقرر اور خطیب بھی ہیں۔ مناظرانہ ذہن بھی رکھتے ہیں اور مختلف مسالک کے بعض اہل علم سے ان کے مناظروں کا سلسلہ جاری رہا۔

ان کے شاگردوں کی فہرست بہت وسیع ہے۔ ان میں سے بعض حضرات کو میں جانتا ہوں اور بہت اچھی طرح جانتا ہوں، ان کی تدریسی اور تصنیفی خدمات سے بھی آگاہ ہوں۔ ان کے تحقیقی دوائر کا بھی مجھے علم ہے۔ لیکن ان کے بعض شاگردوں سے صرف اسمی تعارف ہے اور بعض سے نہ اسمی تعارف ہے، نہ رسمی! دعا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو خوش رکھے اور وہ کتاب وسنت کی تبلیغ و اشاعت میں مشغول رہیں۔

ان کے شاگردانِ عالی ہمت کی وسعت پذیر فہرست میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں:

☆......مولانا ارشاد الحق اثری: پاکستان کے نامور محقق ومصنف۔ فیصل آباد۔

☆......مولانا حافظ عبدالعزیز علوی: شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ، فیصل آباد۔

☆......مولانا حافظ عبدالکبیر: شیخ الحدیث جامعہ تعلیمات اسلامیہ، فیصل آباد۔

☆......مولانا گلزار احمد: شیخ الحدیث دار القرآن والحدیث، فیصل آباد۔

☆......مولانا عطاء اللہ طارق، گگو منڈی، ضلع وہاڑی۔

☆......مولانا احمد علی سیف، وہاڑی۔

☆...... مولانا اسداللہ بہامبڑوی۔

☆...... مولانا محمد صدیق، گہلن، ضلع قصور۔

☆......مولانا عبدالرشید۔

☆......حافظ مقصود احمد، اسلام آباد۔

☆......ڈاکٹر پروفیسر عبدالغفور راشد، لاہور۔

مولانا عبداللہ امجد کے جو حالات ہمیں معلوم ہوئے ہیں، ان سے پتا چلتا ہے کہ ان کی طالب علمی کا زیادہ تر زمانہ جامعہ محمدیہ (اوکاڑا) میں گزرا، وہاں کے اساتذہ سے انھوں نے انتہائی درسی کتابیں پڑھیں اور وہیں سے سند فراغت لی۔ وہیں سے طالب علمی کے زمانے ہی سے ان کی شہرت کا آغاز ہوا۔ پھر مدرس کی حیثیت سے بھی ان کے تعارف کا اولیں بیج جامعہ محمدیہ ہی کی زرخیز علمی سرزمین میں بویا گیا جس نے آگے چل کر تناور درخت کی شکل اختیار کی، جس کے وسیع سائے میں بے شمار لوگوں نے علمی آسودگی حاصل کی اور کر رہے ہیں۔

مولانا عبداللہ امجد چھتوی بہت اچھے مدرس ہیں اور نیک خاندان کے نیک فرد ہیں۔ اس فقیر کے قریبی رشتے دار ہیں۔ وہ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں، لیکن میں ان کا بے حد احترام کرتا ہوں۔

ان کا قافلہ عمر منزلِ سبعین سے آگے نکل چکا ہے اور وہ ماشاء اللہ راہِ تدریس پر تیزی سے گام زن ہیں۔ حلیہ یہ ہے: نکلتا ہوا قد۔ متناسب جسم، نہ فربہی کا تسلط، نہ لاغری کا غلبہ۔ تیکھے نقوش، گندمی رنگ، سفید داڑھی، یعنی چہرے پر بزرگی کا قبضہ۔ شلوار قمیص میں ملبوس، سر پر قراقلی ٹوپی، وضع دار عالم دین، اچھے مقرر اور خوش نوا خطیب۔

اللہ تعالیٰ تدین و صلاحیت کے اس پیکرِ پرخلوص کی خدمات کے دائرے کو مزید وسیع فرمائے اور انھیں صحت و عافیت کے ساتھ طویل زندگی عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

مولانا عبداللہ امجد کی اولاد بیٹے اور بیٹیاں سب تعلیم یافتہ ہیں اور سکول، کالج اور یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں۔